تحقیقی مآخذات اور تنقیدِ متن کے مختلف مدارج

ڈاکٹر روبینہ شہناز*

Abstract:

Bibliographical resources have basic importance in research. These are of two types: Primary Resources and Secondary Resources. Further, textual criticism is the process to make an authentic version of literary text. The article discusses various aspects of these research tools.

تحقیقی ماخذات اور تنقیدِ متن کے مدارج پر بات کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ تنقید اور تحقیق کی تعریفیں متعین کی جائیں، تحقیق کی نقادوں اور محققین نے جو تعریفیں کی ہیں ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ تحقیق حق وصداقت کی کی کھوج سائنسی اصول وضوابط کی روشنی میں لگانا تحقیق کہلاتا ہے جب کہ تنقید سے مراد یہ ہے کہ تحقیق کے نتیجے میں حاصل شدہ مواد کی چھان پھٹک اس طرح سے کی جائے کہ ان میں سے کھرے اور کھوٹے کی پہچان واضح ہو جائے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔

تحقیق میں منابع اور مآخذات کی بڑی اہمیت ہے اس سلسلے میں عبدالحمید عباسی ایک جگہ لکھتے ہیں:

''مآخذ کا اطلاق ان ذرائع پر ہوتا ہے جن سے کسی بھی زیرِ تحقیق موضوع کی تکمیل کے لیے مواد اخذ کیا جاتا ہے۔''(۱)

مآخذ کے حوالے سے ڈاکٹر سلطانہ بخش کہتی ہیں:

''تحقیق میں مآخذ کی تلاش ایک اہم قدم ہے۔''(۲)

مآخذات کی دو بنیادی قسمیں ہیں۔ بنیادی مآخذ اور ثانوی مآخذ۔

---

* اُستاد شعبہ اُردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

بنیادی مآخذ:

بنیادی مآخذ سے مراد وہ مآخذ ہیں جو خود مصنف یا مصنف کے قریبی کسی شخص یا مصنف کے ہی زمانے کے کسی فرد کی جانب سے معلومات فراہم کرتے ہوں چنانچہ مصنف کے ذاتی کاغذات روزنامچہ، دستاویزات، انٹرویو، سرکاری مطبوعات، سوانح عمری، خودنوشت، تقریریں، خطبے، خطوط کے مجموعے، تاریخی شواہد و آثار، تصاویر، اوزار، تمغے اور ملبوسات وغیرہ کو بنیادی مآخذ کی حیثیت حاصل ہے۔

> ''بنیادی مآخذ وہ مآخذ ہوتے ہیں جن کا تعلق موضوع مطالعہ سے راست یا قریبی ہوتا ہے مثلاً اورنگ زیب ہمارا موضوع مطالعہ ہو تو اورنگ زیب کی ہر تحریر اور اورنگزیب کے تعلق سے اس عہد میں لکھی جانے والی ہر تحریر جو ہمارے لیے معاون ہو سند کا کام دے گی اور بنیادی مآخذ کہلائے گی۔ اس اعتبار سے تمام عصری دستاویزات، فرامین، مراسلات اور خطوط وغیرہ بنیادی مآخذ ہوتے ہیں۔''(۳)

بنیادی مآخذ میں اہلیت وصلاحیت کا بھی بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ چنانچہ کسی واقعے کی تحقیق کے سلسلے میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ مشاہدہ کرنے والے نے واقعے کو کس حد تک درست دیکھا اور سمجھا ہے اس کا حافظہ کتنا قوی ہے۔ واقعے کو بیان کرنے کے لیے لفظ کس طرح کے استعمال کیے۔ ان تمام امور کو پرکھا جاتا ہے جب تک ان کڑے سوالات کی کسوٹی پر کوئی واقعہ، بیان یا دعویٰ پورا نہ اترے تب تک اسے مستند تصور نہیں کیا جاتا۔ بغیر مستند سند کے کسی بھی قسم کے دعوے کو تحقیق میں قابل قبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اس حوالے سے اگر مآخذ قابل حصول ہوں تو براہِ راست استفادے کا التزام ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ بالواسطہ روایت پر انحصار ضروری ہو تو انتہائی احتیاط کے ساتھ استفادہ کر لیا جاتا ہے۔

ثانوی مآخذ

ثانوی مآخذ سے مراد وہ مآخذ ہیں جن سے بنیادی مآخذ کی عدم دستیابی یا فقدان کی صورت میں استفادہ کیا جاتا ہے۔ بنیادی مآخذ کی موجودگی میں ثانوی مآخذ اپنی اہمیت کھو دیتے ہیں۔ ثانوی مآخذ دراصل وہ ریکارڈ ہوتے ہیں جن کو ایک فرد یا متعدد افراد مرتب کرتے ہیں جو خود واقعے میں شریک نہ ہوں یا انھوں نے واقعے کا براہ راست مشاہدہ نہ کیا ہو۔ یہ ان افراد کی گواہی ہوتی ہے جو اصل واقعے کے چشم دید گواہ نہیں ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی شاعر یا ادیب یا شخصیت کے بچپن کے حالات معلوم کرنا بہت مشکل کام ہے خاص طور پر جب مصنف یا شاعر قدیم زمانے کا

ہو۔ایسی صورت میں مختلف روایتوں کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ان کی رائے میں اختلاف نہ ہوتو اسی کو درست تسلیم کرلیا جاتا ہے۔اگر مختلف معاصرین کی آرا مختلف ہوں تو ایسی صورت میں اس رائے یا گواہی کو زیادہ مستند اور معتبر سمجھا جاتا ہے جس کی تائید دیگر اسناد وشواہد سے نسبتاً زیادہ ہوتی ہو۔

تحقیق میں بنیادی مآخذ کو اولیت حاصل ہے لیکن بعض دفعہ محقق کو مجبوراً ثانوی مآخذ کی طرف بھی رجوع کرنا پڑتا ہے۔مواد کی دستیابی کے بعد اس کی تشریح وتوضیح کی جاتی ہے اور پھر سائنسی اصول وضوابط کی روشنی میں تجزیہ وتحلیل کے بعد نتائج اخذ کیے جاتے ہیں اس مقام پر محقق کو تحقیق کے علاوہ تنقید کے اوزار سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔جمع شدہ مواد پر تنقیدی نظر ڈالی جاتی ہے اور پھر تحقیق وتنقید کے امتزاج سے نتائج مرتب کیے جاتے ہیں اس ضمن میں سید جمیل احمد رضوی ایک جگہ یوں رقم طراز ہیں:

> ''مصادر کی جمع آوری کے بعد ان کو دیکھنا چاہیے کہ یہ کس حد تک قابل اعتبار ہیں۔۔۔جب ایک محقق زیر تحقیق مسئلے کے بارے میں تمام شہادتیں جمع کرے تو ان جمع کی ہوئی شہادتوں کی وضاحت کرے اور ان سے نتائج نکالے۔''(۴)

بنیادی مآخذ کی طرح ثانوی مآخذ میں بھی حافظے پر یقین کرلیا جاتا ہے۔اردو ادب میں اس کی مثال مولانا الطاف حسین حالؔی کے ہاں ملتی ہے۔چنانچہ ان کی کتاب ''حیات جاوید'' میں سرسید کے بچپن کے بارے میں جو مواد فراہم کیا گیا ہے،ان سب کی بنیاد حافظہ ہے اس لیے کہ سرسید کے بچپن کے وقت حالؔی خود وہاں موجود نہیں تھے چنانچہ اس معاملے میں حالؔی علی گڑھ،بجنور اور دیگر مقامات میں موجود افراد کے اقوال ومشاہدات سے استفادہ کرتے ہوئے سرسید کے بچپن کے حالات ضبط تحریر میں لائے۔

ثانوی مآخذ میں بعض اوقات آثار قدیمہ بھی معاونت کرتے ہیں چنانچہ ہڑپہ اور موہنجوداڑو کے آثار قدیمہ بعض واقعات کی تفصیل یا حقیقت جاننے میں بہت مددگار ثابت ہوتے ہیں۔آثار قدیمہ کی دونوں صورتیں یعنی مادی آثار قدیمہ اور مطبوعہ آثار دونوں ہی یکساں طور پر محقق کی مشکلات حل کردیتی ہیں۔

> ''مقبروں،سادہ قبروں،گنبدوں،دروازوں اور دیواروں پر نصب لوحوں اور نقوش سے بھی کبھی مفید باتیں معلوم ہوجاتی ہیں۔اردو کے بعض ادیبوں کی قبروں کی لوح سے ان کی تاریخ وفات معلوم ہوتی ہے۔مثلاً اثر دہلوی کا سن وفات۔۱۲۰۹ھ ان کی قبر کے تعویز پر نقش ہے۔''(۵)

مآخذات کی نوعیت وکیفیت کو بعض دفعہ خود تحقیق کی نوعیت بدل کر رکھ دیتی ہے۔مثلاً عام طور پر نصابی

کتابوں کو ثانوی مآخذ میں شمار کیا جاتا ہے۔ اب اگر کوئی محقق شعبہ تعلیم میں نصابی کتابوں کی ترتیب و تدوین پر کام کرے تو ایسی صورت میں نصابی کتب ثانوی مآخذ کے بجائے بنیادی مآخذ کی حیثیت اختیار کر جائیں گی۔

تنقیدِ متن کے مختلف مدارج و مراحل

محقق جب تحقیق و تلاش سے مواد جمع کر لیتا ہے تو جمع شدہ مواد کی کیفیت و نوعیت پر تنقیدی نشتر چلاتا ہے۔ کسی ادبی متن کی تنقید مقصود ہو تو اس پر داخلی و خارجی شواہد کی روشنی میں گفتگو کی جاتی ہے اور پھر اس کی اہمیت و افادیت کا تعین کیا جاتا ہے۔ متن کی تحقیق اور متن کی تنقید دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ تنقید متن میں غیر تحقیقی نقطۂ نظر کا قطعاً کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ تنقیدِ متن اپنے مقصد اور نوعیت کے اعتبار سے ادبی تنقید سے مختلف ہے کیونکہ ادبی تنقید میں ادب اور مقصد ادب سے متعلق کسی ادبی تصنیف کی فنی اور فکری قدر و قیمت کا تعین کیا جاتا ہے جبکہ تنقیدِ متن میں خارجی و داخلی حقائق سے گفتگو کی جاتی ہے۔ تنقید متن کا کام ایک نہایت مشکل اور دقت طلب کام ہے اس مرحلے میں عام طور پر مطالعے کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے یعنی موضوعی مطالعہ اور معروضی مطالعہ۔

معروضی مطالعے میں دو امور نہایت اہم ہیں یعنی متنی معارض اور متنی مواقف۔ ذیل میں ان دونوں کی وضاحت ملاحظہ کریں۔

متنی معارض

متنی معارض میں ان تمام امور کو زیر بحث لایا جاتا ہے جن کا تعلق متن کے بیرونی اور عارضی حصے سے ہوتا ہے۔ مثلاً اوراق کی تعداد، قلم کی کیفیت، کاغذ کی کوالٹی، روشنائی کی نوعیت، رسم الخط، مسطر، خالی اوراق (اگر ہوں) مہریں اور صفحات کی تقطیع وغیرہ۔ ان تمام باتوں کو بنیاد بنا کر متن کا مطالعہ کیا جاتا ہے جس سے کسی مخطوطے یا نسخے کی اصلیت، زمانۂ کتابت وغیرہ کا تعین ہو جاتا ہے۔

متنی معارض میں مذکورہ بالا امور و اشیا کے علاوہ دیگر کئی باتیں بھی قابل اہمیت سمجھی جاتی ہیں مثلاً جذباتی لب و لہجہ، افسانی انداز فکر، تاثراتی طرز وغیرہ۔ ان کے علاوہ نادر و نایاب کتب و رسائل کے سلسلے میں ان کے مآخذ کا ذکر اور اگر وہ کسی لائبریری میں ہوں تو اس ضمن میں کیٹلاگ نمبر یا فہرست کی نشانی وغیرہ کا حوالہ بھی متنی معارض میں شامل ہیں۔

متنی مواقف:

متنی مواقف میں کئی ایک چیزیں شامل ہیں مثلاً نسخے کے مشتملات، مختلف اصناف سخن کا ذکر، اشعار کی

تعداد کا ذکر، قلم زد سطور کی نشاندہی، منسوخ اشعار کی کیفیت و کمیت وغیرہ۔

متنی مواقف دراصل متن کے تمام مندرجات، قطعات، ترقیمات، تعلیقات، تکملات، تتمات کے علاوہ تاریخ کتابت، تاریخ تصنیف سبھی کے دقیق مطالعے کا نام ہے۔

متنی مواقف اور متنی معارض بعض اوقات گھل مل جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تنقید متن کے مدارج کا اصول اور قطعی تعین نہیں کیا گیا ہے۔

موضوعی مطالعے میں تین امور پر خاص توجہ دی جاتی ہے جو درج ذیل ہیں

۱۔ متنی معارف

۲۔ متنی مصادر

۳۔ متنی محاسن

۱۔ متنی معارف

متنی معارف میں جن چیزوں کو بنیادی اہمیت دی جاتی ہے ان میں متنی شواہد اور عصری معلومات شامل ہیں۔ یہاں متنی شواہد سے مراد زیر بحث متن میں کسی دوسرے ہم عصر متن یا قریب العہد متن کی کوئی شہادت یا شواہد کی موجودگی اور عدم موجودگی کا مطالعہ کرنا ہے۔ اگر کوئی شہادت موجود ہو تو اس کا تقابل دیگر شہادتوں سے کیا جاتا ہے اور نتائج مرتب کیے جاتے ہیں۔ عصری معلومات سے مراد یہاں تاریخی، سوانحی اور تمدنی امور کا مطالعہ کرنا ہے۔ عصری معلومات سے کسی مصنف یا نسخے کے متعدد نایافت گوشے منور ہو جاتے ہیں۔

۲۔ متنی مصادر

متنی مصادر سے مراد وہ تمام مصادر و منابع و مآ خذ ہیں جن میں کسی نسخے یا متن کے بارے میں خارجی اور داخلی شہادتیں موجود ہوں۔ متنی مصادر کی کیفیت و نوعیت اس وقت بدل جاتی ہے جب متن تخلیقی ہو۔ تخلیقی متن میں دراصل مصنف کے اکتسابی فکر و فن کا عمل دخل زیادہ ہوتا ہے اور اس کا جائزہ لینا مقصود ہوتا ہے۔ مختلف دلائل و براہین اور شواہد کی روشنی میں یہ جائزہ مؤثر و مدلل صورت اختیار کرتا ہے۔

> ''متن کے اپنے مسائل اور جزئیات کا احاطہ محض چند عنوانات کے تحت نہیں کیا جا سکتا اس کا تعلق بہت کچھ مرتب متن کے صوابدید پر ہے۔''(۶)

۳۔ متنی محاسن

متنی محاسن میں بنیادی اہمیت متن کی زبان کو حاصل ہوتی ہے۔ زبان دراصل مصنف کے عہد کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی حالات پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ چنانچہ تنقید متن کے حوالے سے مصنف کے متن کا دقیق جائزہ لیا جاتا ہے اس جائزے میں مصنف کے لسانی پہلو اور اسلوب نگارش پر خالص علمی وتنقیدی نقطۂ نظر سے بحث کی جاتی ہے۔

متنی مواقف اور متنی معارض تحقیق وتنقید متن میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں ان کی متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ بخوفِ طوالت یہاں چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

مولوی حبیب الرحمٰن خان نے ''کلیات میر'' کا معروضی مطالعہ پیش کرتے ہوئے ''تذکرۂ شعراء اردو'' مؤلفہ میر حسن کے مقدمے میں ان الفاظ میں لکھا ہے:

> ''.....کلیات میر حسن کا نسخہ ہاتھ آیا جو ۱۲۵۶ء کا لکھا ہوا ہے مطلاّ اور مُذہّب .....انواع سخن سے لبریز، چار سو صفحے کا حجم ہے تقریباً سات ہزار شعر ہیں۔ غزل کے اشعار تقریباً چار ہزار ہیں، چھوٹی بڑی گیارہ مثنویاں ہیں، سات قصیدے ہیں، مخمس، مسدس، مثلث، رباعی بھی ہیں.....مرثیے نہیں ہیں.....''(۷)

میر کے کلیات کا ایک خوبصورت نسخہ جس میں ''نکات الشعراء'' کے علاوہ ان کی نظم ونثر کا سارا کام، دیوان اردو اور دیوان فارسی کا سارا کلام شامل ہے۔ وہ رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ اسی کلیات کے اوراق کی تعداد ۸۳۲ ہے۔ اس کے دیوان اول کے آخر میں کاتب نے یوں لکھا ہے۔

> ''دیوان اوّل من تصنیف میر محمد تقی صاحب بتاریخ بست ونہم شہر رمضان سنہ یکہزار ودوصد وچہل و پنج ہجری بخط بدربط حقیر فقیر پر تقصیر بندہ شیخ لطف علی حیدری۔۔۔ اختتام پذیرفت۔''(۸)

مذکورہ بالا اقتباسات میں سے پہلا اقتباس متنی معارض کی مثال جب کہ دوسرا اقتباس متنی مواقف کی مثال کے طور پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

جتنی اہمیت وافادیت متن کے خارجی حقائق کے مطالعے کی بنتی ہے اس سے کہیں زیادہ اہمیت متن کے باطنی اور داخلی امور واشیاء کے مطالعے کی بنتی ہے جسے موضوعی مطالعہ کہا جاتا ہے۔ داخلی مطالعے سے بعض دفعہ ایسے نکات کسی متن کے سلسلے میں سامنے آتے ہیں جن کی طرف تاریخ ادب کی توجہ مبذول نہیں ہوئی۔ ادبی کتابوں،

رسالوں اور جریدوں کی بدولت بعض نسخوں یا مصنفین کی تخلیقات کے سبب صدور اور وجہ تصنیف کا بھی پتا لگ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مصنف یا کسی نسخے کے عہد کا تعین بھی بآسانی کیا جاسکتا ہے اس کی مثال کے طور پر میر تقی میر کے ایک ترجمے کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ جو دراصل ''بے نوا'' کا ترجمہ ہے۔

''در وقت محمد شاہ بادشاہ۔۔۔ نام جوھری جوتے فروشی ۔۔۔ چنانچہ جوتے فروشان در جامع مسجد مانع خطبہ گشتند۔ آخر ہنگامہ برپا شد و جنگ عظیم درمیان امرایان عظام افتاد۔۔۔''(۹)

تنقیدِ متن کے حوالے سے یہ بات بھی نہایت اہم ہے کہ کسی عہد کے ادبی مزاج اور تنقیدی معیار کو ایک دوسرے سے بالکل الگ رکھ کر نہیں دیکھا جاتا ہے۔ بصورت دیگر متنی حقائق کی تقسیم بے سود ہوگی۔

متنی مواقف اور معارض کے حوالے سے جن نکات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ضروری نہیں کہ سبھی نکات ہر متن میں پائے جائیں۔ چنانچہ ''دیوان زادہ'' کے دیباچے میں شاہ حاتم کی تحریر سے دلی کے شعری رویوں اور ادبی رجحانات پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ دیباچے میں یوں رقم طراز ہیں۔

''سرخی غزلیات مع سنہ سہ قسم بقید آورد، یکی طرحی، دوم فرمایشی، سوم جوابی تا تفریق آن معلوم گردد۔''(۱۰)

بعض اوقات کسی نسخے کے ترجمے کے ضمن میں مترجم کے حالاتِ زندگی یا نقد و تصانیف یا زمانہ تصنیف کے حوالے سے اہم معلومات فراہم ہوتی ہیں مثلاً میر حسن نے اپنے تذکرے میں خود اپنی تصانیف اور تراجم کے بارے میں اشارے کیے ہیں اس طرح صاحب مخزن نکات نے یک رنگ کے بارے میں لکھا ہے:

''ابیات دیوانش ہمگی وتمامی قریب بصد شعر خواہد بود۔''(۱۱)

تحقیق و تنقید متن کے مدارج کا خیال رکھنا اس لیے بھی ضروری ہوتا ہے کہ بعض دفعہ مراحل و مدارج کے فرق سے تحقیق بے وقعت اور تنقید بے بنیاد بن جاتی ہے۔ تنقید متن میں متن کا لسانی پہلو، اسلوب نگارش، زمانۂ تصنیف، سبھی امور کا گہرا تنقیدی جائزہ بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

بعض اوقات خود مصنف اپنی تحریر (متن) کا لسانی جائزہ پیش کرتا ہے جس سے اس عہد کی لسانی صورت حال پر تفصیلی روشنی پڑتی ہے اس ضمن میں شاہ حاتم کے ''دیوان زادہ'' کی مثال پیش کی جاسکتی ہے چنانچہ دیباچے میں انہوں نے بعض اہم لسانی و املائی تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے۔

''ولفظ (در) و (بر) و (از) و (او) کہ فعل وحرف باشد بندہ در دیوان قدیم خود

تقید دارد و در ایں ولا ازدہ۔۔۔ چنانچہ عربی و فارسی مثلاً تسبیح را تسبی و صحیح را صحی و بیگانہ را بگانہ و دیوانہ را دوانہ و مانند آن بطور عامہ۔۔۔''(۱۲)

المختصر یہ کہ تنقید متن اور تحقیقی مآخذات کے مدارج و مراحل اور لوازمات کا ادراک حاصل کرنا پہلا مرحلہ ہے اور پھر داخلی و خارجی شہادتوں کی بنا پر کسی نسخے، تصنیف یا مصنف کے زمانے کا سرغ لگانا، اس زمانے کے ادبی و لسانی رجحانات کی تہہ تک پہنچنا اور سیاسی و سماجی رویوں کو ٹھوس اور منطقی شواہد کی بنا پر کشف کرنا دوسرا مرحلہ ہے۔ متون اور مآخذات کے مدارج دراصل تحقیق و تنقید متن میں منزل یقین تک پہنچنے کے سائنسی و منطقی راستوں، ذریعوں کا نام ہے جس کا علم ہر محقق و متنی نقاد کے لیے از بس لازم ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عبدالحمید خان عباسی، (مولف ومرتب) اصول تحقیق نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، طبع اوّل، ص ۱۴۸

۲۔ ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اُردو اصول تحقیق، جلد دوم، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد،

۳۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر، اُردو تحقیق صورت حال اور تقاضے، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد طبع اوّل، ۲۰۰۸، ص ۴۰۵

۴۔ جمیل احمد رضوی، سید، دستاویزی طریقہ تحقیق، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ص ۱۷۴

۵۔ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، طبع اوّل، ۱۹۹۴ء ص ۱۴۶

۶۔ تنویر احمد علوی، ڈاکٹر، اصول تحقیق وترتیب متن، سنگت پبلشرز لاہور، ۲۰۰۶ء ص ۷۰

۷۔ تذکرہ شعرائے اُردو، مقدمہ، ص ۹

۸۔ کلیاتِ میرؔ ایک نادر نسخہ مشمولہ: دہلی کالج اردو میگزین، میر نمبر ۱۹۶۳ء، ص ۲۸۷

۹۔ مالک رام، مرتبہ: گل رعنا، مقدمہ۔ ص ۱۹ تا ۲۳

۱۰۔ شاہ حاتم، دیوان زادہ، دیباچہ، مخزونہ رضا لائبریری رام پور ۱۹۳۹ء، ص ۳۸۲

۱۱۔ مخزن نکات، ص ۴۲

۱۲۔ شاہ حاتم، دیباچہ، دیوان زادہ، مخزونہ رضا لائبریری رام پور، ص ۳۸۲